12

خلیفہ اور نظامِ سلسلہ کا احترام

(فرمودہ ۲۰۔ مارچ ۱۹۳۱ء)

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

چونکہ مجھے برابر گلے کی تکلیف جاری ہے اور اس کے ساتھ ہی کچھ دنوں سے بخار کی بھی ہلکی سی حرارت رہتی ہے اس لئے میں ڈاکٹری مشورہ کے ماتحت کوئی لمبی تقریر نہیں کر سکتا میں آج صرف ایک ایسے اعلان کے متعلق جو ابھی میرے سامنے پیش ہوا ہے کچھ بیان کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے متواتر جماعت کے دوستوں کو توجہ دلائی ہے اور اس کے متعلق پہلے بھی کئی دفعہ کارروائی ہو چکی ہے۔ مگر باوجود اس کے بعض لوگ اپنے ذاتی اغراض اور اپنے ذاتی فوائد کو مدنظر رکھتے ہوئے سلسلہ کے فوائد اور سلسلہ کے اغراض کو نظرانداز کر دیتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ کسی صورت میں بھی خلیفہ وقت کو عدالتوں میں گواہ کے طور پر نہیں بلانا چاہئے۔ اول تو ہمارے مقدمات ہماری عدالتوں میں ہی رہنے چاہئیں اور انہیں اسی جگہ طے کر لینا چاہئے لیکن اگر کوئی مقدمہ طے نہ ہو سکے اور اس کے تصفیہ کے لئے عدالتوں میں جانا ہی پڑے تو کبھی بھی خلیفہ وقت کو عدالت میں نہ بلایا جائے کیونکہ وہ اپنے عہدہ کے لحاظ سے اتنے وسیع تعلقات رکھتا ہے کہ ہر شخص سے اس کا معاملہ ہوتا ہے۔ پس قطع نظر اس ادب اور احترام کے جو لوگوں کے دلوں میں اس کے متعلق ہوتا ہے اور قطع نظر اس ادب اور احترام کے جو اس مقام پر کھڑا ہونے کی وجہ سے اسے حاصل ہوتا ہے اگر عقلی طور پر بھی اس بات کی اجازت دے دی جائے تو سوائے اس کے کہ خلفاء روزانہ گواہیوں کے لئے کسی نہ کسی کچہری میں کھڑے ہوں ان کا کوئی اور کام ہی نہیں رہ جاتا۔ دن بھر میں پندرہ بیس جھگڑے خلیفہ کے پاس ضرور آئیں گے اور اس لحاظ سے وہ سارے معاملات میں

گواہ بنایا جاسکتا ہے۔ پس اگر اس امر کی اجازت دے دی جائے تو ایسا دروازہ کھل جاتا ہے جس سے سلسلہ کا تمام کام تباہ ہو جاتا ہے۔ اور پھر ایسی گواہی کے لئے بلانا جس میں کسی قسم کا فائدہ نہ ہو وہ اور بھی زیادہ نہ صرف نقصان پہنچانے والا اور سلسلہ کے نظام کو درہم برہم کر دینے والا ہے بلکہ ادب اور احترام کے بھی بالکل خلاف ہے۔

میں نے پچھلے دنوں لوگوں کے نکاح پڑھنے بند کر دیئے تھے اور یہ اس لئے کہ اس وقت کسی نے میرا نام گواہی میں لکھا دیا تھا۔ اس کے بعد سے میں صرف ایسے ہی نکاحوں کا اعلان کیا کرتا ہوں جن کے متعلق مجھے یقین ہو جائے کہ یہ عورت ایسی ہی ہے کہ خواہ اسے ساری عمر اپنے ماں باپ کے گھر بیٹھنا پڑے یہ کوئی مقدمہ نہیں کرے گی اور یہ مرد ایسا ہے خواہ اسے کتنا ہی نقصان اٹھانا پڑے مجھے عدالت میں بطور گواہ پیش نہیں کرے گا۔ پس میں اس وقت سے سوائے ایسے مردوں اور عورتوں کے اور کسی کا نکاح نہیں پڑھایا کرتا مگر آج مجھے اطلاع ملی ہے کہ ایک مقدمہ میں میری گواہی رکھی گئی ہے۔ اس کے متعلق سوائے شرارت اور منصوبہ بازی کے اور کوئی وجہ ذہن میں نہیں آسکتی۔ میری گواہی اس میں صرف اتنی ہے کہ ایک عورت نے مجھے لکھا کہ میرے معاملہ میں افسران متعلقہ توجہ نہیں کرتے میں نے اس پر لکھ دیا کہ توجہ کریں۔ پس اصل بات جو مجھ سے تعلق رکھتی ہے صرف اتنی ہے نہ مجھے معلوم ہے کہ کوئی وصیت کی گئی تھی یا نہیں نہ مجھے کوئی اور واقعات معلوم ہیں۔ میں صرف اس بات کا مجرم ہوں کہ میں نے ایک عورت کی شکایت سن کر افسران متعلقہ کو توجہ دلائی۔ کیا کوئی عقلمند بھی سمجھ سکتا ہے کہ اس کے ساتھ مقدمے کا کوئی تعلق ہے؟ ان حالات کو دیکھتے ہوئے خلفاء کے لئے اب دو ہی صورتیں باقی رہ جاتی ہیں۔ یا تو وہ کسی کی مظلومیت کی طرف قطعاً کوئی توجہ نہ کیا کریں کیونکہ انہوں نے جب کسی معاملہ کے متعلق لکھا کہ اس پر توجہ کی جائے تو دوسرے انہیں گواہ بنالیں گے یا پھر یہ صورت ہے کہ ایسے شریر آدمیوں کو قرار واقعی سزا دی جائے۔ پہلی بات پر تو کبھی عمل نہیں کیا جاسکتا کیونکہ خلافت کے معنے ہی یہ ہیں کہ لوگوں کے حقوق کا خیال رکھا جائے اور زیردست کو زبردست کے ظلم سے بچایا جائے اور اس امر کو نظر انداز کر دینے کے معنے یہ ہوں گے کہ خلافت کو ہی باطل قرار دیا جائے۔ البتہ دوسری بات پر عمل کیا جاسکتا ہے اور وہ یہی ہے کہ ایسے شخص کو جماعت سے نکال دینے کا اعلان کر دیا جائے۔ جماعت کے معنے یہ ہیں کہ ہم لوگ متفق ہو کر ایک اقرار کرتے ہیں اور وہ یہ کہ ہم نظام سلسلہ کی مضبوطی کے لئے مل کر کوشش کرتے رہیں گے لیکن وہ جو نظام سلسلہ کو توڑتا ہے ہم ہر

وقت اس بات کا حق رکھتے ہیں کہ جب اسے نظام کا احترام نہیں تو ایسے شخص کی جماعت سے علیحدگی کا اعلان کر دیا جائے لیکن جماعت سے نکالنے کا مفہوم احمدیت سے نکالنا نہیں ہوتا۔ احمدیت اعتقاد اور ایمان سے تعلق رکھتی ہے یہ علیحدہ چیز ہے۔ ہو سکتا ہے ایک شخص کو ہم جماعت سے نکالیں اور وہ احمدیت پر قائم ہو۔ یہ ایک غلطی ہے جو بعض لوگوں کو لگ جاتی ہے۔ پہلے بھی میں نے بیان کیا تھا کہ اس قسم کا اخراج احمدیت سے اخراج نہیں ہوتا۔ ہم اس قسم کی کُفربازی کا سلسلہ جماعت احمدیہ میں جاری کرنا نہیں چاہتے۔ خلفاء تو کیا دراصل انبیاء کو بھی اس قسم کا اختیار نہیں ہوتا بلکہ درحقیقت اسلام سے خدا بھی نہیں نکالتا۔ بندہ ہی ہے جو خود اپنے آپ کو اس سے نکال لیتا ہے۔ جب ایک بندہ اپنے منہ سے کہتا ہے کہ میں اللہ اور رسول پر ایمان لاتا ہوں تو خدا تعالیٰ بھی یہی کہتا ہے کہ بہت اچھا۔ پس جماعت سے اخراج کا جو بھی اعلان ہو وہ احمدیت سے اخراج کا مفہوم نہیں رکھتا۔ میں یہ تشریح کر دیتا ہوں تا لوگ دھوکے میں نہ رہیں۔ اس کے معنے صرف یہ ہیں کہ جس غرض کے لئے خلافت کو قائم کیا گیا ہے اور جو عظیم الشان مقصد اس کا رکھا گیا ہے کہ لوگ ایک نظام کے ماتحت آئیں چونکہ وہ شخص اس میں اشتراک عمل کے لئے تیار نہیں ہوتا اس لئے وہ ہمارے ساتھ کام نہیں کر سکتا ہم اسے جماعت سے علیحدہ کر دیتے ہیں مگر احمدیت سے نہیں نکالتے۔ بلکہ نکال سکتے ہی نہیں۔ ہمارا احمدیت سے نکالنے میں کسی قسم کا اختیار نہیں ہے۔

میں ساتھ ہی اپنی جماعت کے دوستوں کو یہ نصیحت کرنی چاہتا ہوں کہ وہ اپنے معاملات میں عقل اور تدبیر سے کام لیا کریں۔ درحقیقت جوش کے وقت ہی انسان کی عقل اور اس کے ایمان اور اس کے تعلقات کی آزمائش ہوتی ہے۔ وہی وقت ہوتا ہے جب پتہ لگتا ہے کہ اس کا تعلق دین سے کس قدر ہے۔ ایک عورت کا ذکر ہے کہ رسول کریم ﷺ نے اسے دیکھا کہ وہ اپنے مُردہ بچہ پر رو رہی ہے۔ آپؐ نے اسے فرمایا اے عورت صبر کرو۔ وہ کہنے لگی جس کے بچے مر جائیں اسے ہی پتہ لگتا ہے کہ بچوں کے مرنے کا کتنا صدمہ ہوتا ہے۔ آپ نے تو اسے نصیحت کرنی تھی آگے اس کا اختیار تھا چاہے مانتی یا نہ مانتی۔ آپؐ اتنا فرما کر کہ میرے تو کئی بچے فوت ہو چکے ہیں وہاں سے چل دیئے۔ کسی نے اس عورت سے کہا بیوقوف تجھے پتہ بھی ہے یہ کہنے والا کون تھا۔ یہ تو محمد ﷺ تھے۔ وہ یہ سنتے ہی بھاگتی ہوئی آئی اور آکر رسول کریم ﷺ سے کہا یا رسول اللہ! میں نے صبر کیا۔ آپ نے فرمایا صبر تو پہلے موقع پر ہی ہوتا ہے۔[1] رو دھو کر تو سب کو صبر آجاتا ہے کون ہے جو ہمیشہ ہی روتا رہتا ہے رونے والوں کو آخر ایک عرصہ کے بعد صبر آہی جاتا ہے۔ صرف ایک

عورت مشہور ہے جس نے اپنے بھائی کو رونا شروع کیا اور وہ پھر ساری عمر روتی رہی اس کا نام خنساء تھا۔ وہ عرب کی مشہور شاعرہ گزری ہے۔ اس نے اپنے بھائی کی یاد[2] میں نہایت دردانگیز مرثیے کہے ہیں اور وہ ہمیشہ اس کا ذکر کر کے روتی رہی۔ حضرت عمرؓ نے بھی ایک دفعہ اس عورت کو بلایا اور اس سے مرثیہ سنا۔ حضرت عمرؓ پر بھی اتنا اثر ہوا کہ آپ بھی رونے لگ گئے۔ کسی نے پوچھا اپنے بھائی کی یاد اتنی آخر کیوں رکھتی ہو۔ کہنے لگی میرا خاوند اچھا امیر آدمی تھا مگر جواری اور شرابی تھا۔ اس نے اپنی تمام دولت عیاشی میں لُٹادی۔ جب سب کچھ لُٹا چکا اور ہم سخت تنگ ہو گئے تو میں نے اسے کہا آؤ ہم اپنے بھائی کے پاس چلیں اور اس سے کہیں کہ وہ ہماری مدد کرے۔ میں اپنے بھائی کے پاس گئی اور اس نے اپنی آدمی دولت تقسیم کر کے مجھے دیدی مگر تھوڑے دنوں کے بعد میرے خاوند نے وہ تمام دولت پھر شراب اور جوئے میں اُڑا دی اور پھر جب ہم تنگدست ہوئے تو میں نے کہا چلو پھر اپنے بھائی کے پاس چلتے ہیں۔ میں جو وہاں گئی تو اس نے پھر اپنی آدھی دولت مجھے دیدی مگر میرے خاوند نے پھر دولت لُٹادی۔ خنساء کہتی ہے میں نے پھر اس سے کہا چلو پھر اپنے بھائی کے پاس چلیں اور جب میں سہ بارہ گئی تو میری بھاوج نے میرے بھائی سے کہا یہ روز مال ضائع کر کے اور دولت لُٹا کر آجاتے ہیں انہیں تم کیوں مال دیتے ہو مگر میرے بھائی نے اس کی بات نہ مانی اور پھر اپنی آدھی دولت ہمیں دیدی اور میری بھاوج سے کہا تجھے کیا ہے اگر میں مرگیا تو تُو اور خاوند کرلے گی مجھ پر اگر کوئی روئے گی تو یہ میری بہن روئے گی اور کون مجھ پر نوحہ کرے گا۔ پس اگر میں ایسے فیاض اور نیک دل بھائی کو یاد نہ کروں تو اور کسے کروں۔ حضرت عمرؓ کے بھائی بھی اسلام کی راہ میں شہید ہو چکے تھے اور آپ کو بھی اپنے بھائی کا سخت صدمہ تھا۔ آپ نے خنساء کے مرثیوں کو سن کر کہا کہ مجھے شعر کہنا آتا تو میں بھی اپنے بھائی کا مرثیہ کہتا۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ وہ عورت بہت ذہین تھی۔ کہنے لگی جو مبارک موت آپ کے بھائی کو نصیب ہوئی اگر اسی طرح میرا بھائی بھی شہید ہوتا تو میں تو کبھی اس کا مرثیہ نہ کہتی[3]۔ تو جوش کے وقتوں میں ہی انسانی تعلقات کا اندازہ ہوتا ہے۔ یہ میں نے ایک مثال بتائی ہے جو وفاداری کی مثال ہے۔ اگرچہ اسلام نے اس قسم کے رونے کو بھی پسند نہیں کیا۔ صرف خاوند والی عورت کے لئے ایک مدت رکھ دی ہے اور کہہ دیا ہے اس سے زیادہ سوگ نہیں کرنا چاہئے۔ وگرنہ باقیوں کے لئے تو تین دن سے زیادہ سوگ کو بھی پسند نہیں کیا۔ اس کے بعد سینہ کے جوش ٹھنڈے ہو جاتے ہیں صرف مصنوعی ذرائع سے انہیں بعد میں تیز کیا جاتا ہے۔ تو وہ جوش جو چند دنوں کے بعد خود بخود ٹھنڈے ہونے

والے ہوں اگر ان میں بھی انسان اپنے نفس کو قابو نہ رکھے تو کس قدر افسوس ہو گا۔ میں نے بیسیوں آدمیوں کو دیکھا ہے وہ ایک دوسرے سے لڑتے ہیں اور پھر کہتے ہیں اس شخص سے تو میری صلح بالکل ناممکن ہے مگر تھوڑے ہی دنوں کے بعد ان دونوں میں پھر محبت قائم ہو جاتی ہے۔ اور میں جب ان سے کہتا ہوں بتاؤ تم تو کہتے تھے میری اس سے بالکل صلح نہیں ہو سکتی پھر کس طرح صلح ہو گئی۔ تو وہ یہی جواب دیتے ہیں کہ وہ تو غصے کی بات تھی اب غصہ جاتا رہا۔ تو یہ جلد بازی ہوتی ہے کہ جوش کے وقت انسان اپنے نفس پر قابو نہ رکھ سکے۔ احمدیت ہمیں یہی سکھاتی ہے کہ ہم جوش کے وقت اپنے نفس پر قابو رکھیں اور اگر ہم اسی لڑکے سے سبق حاصل کر لیں جس سے ایک دفعہ میں نے سبق سیکھا تھا تو یہ بھی اچھی بات ہے۔ میں چھوٹا تھا ہماری ایک کشتی تھی بعض لڑکے ہماری عدم موجودگی میں اس کشتی کو پانی میں لے جاتے اور ایسی بری طرح استعمال کرتے کہ اسے نقصان پہنچ جاتا۔ آخر اس کشتی میں ٹوٹ جانے کی وجہ سے پانی آنے لگا۔ مجھے بڑا غصہ تھا میں اپنے ہمجولیوں سے کہتا رہتا کہ مجھے ایک دفعہ لڑکے پکڑ دو جو اس کشتی کو خراب کر دیتے ہیں پھر میں انہیں خوب سزا دوں گا۔ خیر وہ نہ پکڑے گئے اور کشتی برابر خراب ہوتی چلی گئی اور میرا غصہ بھی بڑھتا گیا۔ ایک دن انہیں ہمارے ساتھیوں میں سے کسی لڑکے نے کشتی پر سوار دیکھ لیا اور اس نے آکر مجھے اطلاع دی کہ چلیں اب موقع ہے۔ میں گیا وہ لڑکے احمدی تو نہیں تھے مگر ہماری ریاست کی وجہ سے مجھ سے ڈرتے تھے۔ انہوں نے جونہی مجھے دیکھا ڈر کر بھاگ گئے صرف ایک لڑکا پکڑا گیا۔ مجھے غصہ تھا میں نے اسے مارنے کے لئے زور سے جو اپنا ہاتھ اٹھایا تو بجائے اس کے کہ وہ مقابلہ کرتا اس نے جھٹ اپنا منہ میرے سامنے کر دیا اور پنجابی میں کہا "اچھا جی مار لو۔" اس کا یہ کہنا تھا کہ معاً میرا ہاتھ شل ہو گیا اور میرا سارا غصہ جاتا رہا بلکہ بعد میں میں نے اپنے نفس میں ندامت محسوس کی۔ تو اگر اسی طرح ہماری جماعت میں لڑنے والوں کو، ظلم کرنے والوں اور دوسری تعدی کرنے والوں کو یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ اس طریق کو چھوڑ دیں تو کم از کم ہمارے مظلوم ہی اس طریق کو اختیار کریں۔ چند ہی دنوں میں دیکھ لیں گے کہ کس طرح آپس میں صلح قائم ہو جاتی اور عداوت دور ہو جاتی ہے۔ اگر کوئی گالیاں دے رہا ہے تو آگے سے یہ بھی لال پیلی آنکھیں نہ نکالے بلکہ کہے اگر تم احمدیت کی تعلیم پر عمل نہیں کرتے تو نہ سہی میں احمدیت کی تعلیم کو نہیں چھوڑ سکتا تمہاری گالیوں کے مقابل پر میں کوئی گالی دینے کے لئے تیار نہیں۔ اسی طرح اگر کوئی مارنے لگے تو کہو مار لو میں تم پر ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا۔ ہاں یہ ضرور یاد رہے یہ طریق اپنوں کے

لئے ہے دشمنوں کے لئے نہیں۔ حضرت مسیح ناصری کی تعلیم صرف یہ ہے کہ دشمن کا مقابلہ نہ کیا جائے اور اگر کوئی ایک گال پر تھپڑ مارے تو دوسرا بھی پیش کر دیا جائے۔ مگر دشمنوں کے سامنے اس قسم کی تعلیم ہر وقت کام نہیں آتی ہاں دوستوں پر یہ تعلیم نہایت گہرا اثر کرتی ہے۔ البتہ دل میں کینہ بٹھانے والا چونکہ اس طریق سے متاثر نہیں ہو سکتا اس لئے اس کے لئے سزا کا طریق بھی جاری کیا گیا ہے۔ اگر حضرت مسیح ناصری سزا کا طریق بھی جاری کرتے تو کون انسان ان کی اس تعلیم کی خوبی سے انکار کر سکتا مگر انہوں نے صرف ایک پہلو پر زور دیا۔ پس ہم یہ نہیں کہتے کہ حضرت مسیح کی تعلیم کسی جگہ بھی کار آمد نہیں بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ جزو ہے کل کا۔ اسلام نے کل پیش کیا ہے مگر حضرت مسیح نے اس کا ایک جزو پیش کیا۔ پس ہمارا اعتراض تعلیم کی خوبی پر نہیں ہے بلکہ یہ ہے کہ یہ تعلیم ہر جگہ کام آنے والی نہیں اپنی جگہ بے شک یہ ایک مفید تعلیم ہے۔ رسول کریم ﷺ کی فتح اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی فتح اور ان تمام انبیاء کی فتح جن کی تاریخیں محفوظ ہیں اور جن پر ایمان لانا ہمارے فرائض میں داخل ہے حلم، بردباری، محبت اور پیار سے ہی ہوئی۔ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مجلس میں ایک شخص آیا اور آپ کو آتے ہی گالیاں دینے لگ گیا اور جب خوب گالیاں دے چکا اور بیٹھ گیا تو آپؑ نے فرمایا تسلی ہو گئی یا کچھ اور بھی باقی ہے۔ اسی طرح ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام لاہور تشریف لے گئے تھے وہاں راستہ میں ایک شخص نے آپؑ کو دھکا دیدیا۔ لوگ اس کو مارنے لگے مگر آپؑ نے فرمایا نہیں اسے کچھ نہ کہو۔ اس نے تو اپنے اخلاص سے ہی دھکا دیا ہے۔ وہ دراصل مدعی نبوت تھا۔ آپؑ نے فرمایا اس نے سمجھا ہے کہ ہم ظالم ہیں اور اس کا حق مار رہے ہیں اس لئے اس نے دھکا دیدیا۔ پیغمبر اسنگھ جو یہاں آیا کرتے تھے ان کا وہ بھائی تھا۔ وہ سنایا کرتے تھے کہ میرا بھائی بعد میں ساری عمر شرمندہ رہا اور کہتا تھا مجھ سے سخت غلطی ہوئی کہ میں نے حضرت مرزا صاحب کو دھکا دیا۔ تو اخلاقی نمونہ اور محبت کا اثر تو پاگلوں پر بھی ہو جاتا ہے صحیح عقل والوں پر کیوں نہ ہو گا۔

ہمارے بہت سے جھگڑے آسانی سے آپس میں طے ہو سکتے ہیں سرکاری عدالتوں میں جانے کی ضرورت ہی نہیں رہتی بلکہ سلسلہ کی عدالتوں میں بھی ہمیں جانا نہیں پڑتا بشرطیکہ ہم انہیں خود سلجھالیں۔ پھر ہمارے پاس اتنی دولت ہی کہاں ہے جس کے متعلق اپنے جھگڑے عدالتوں میں لے جایا کریں۔ اور وہ دولت جو ایمان اور سلسلہ کے نظام سے علیحدہ کر دینے والی ہو وہ تو جہنم کی آگ ہے دولت نہیں۔ مگر میں کہتا ہوں ہمارے پاس دولت ہے ہی کہاں۔ ہماری ایک کنگال جماعت

ہے۔ ہمارے امراء بھی دوسرے امراء کے مقابلے میں غریب ہیں۔ مجھے حضرت خلیفہ اول کی ایک بات ہمیشہ یاد رہتی ہے۔ آپ سے کسی نے کہا آپ کی جماعت میں تو بڑے بڑے امراء ہیں۔ آپ نے فرمایا مجھے تو کوئی نظر نہیں آتا۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ ہماری جماعت کے امراء کی دوسری جماعتوں کے امراء کے مقابلہ میں کچھ بھی حقیقت نہیں بلکہ وہ تو ایسوں کو نوکر رکھ سکتے ہیں۔ جب ہماری جماعت کی یہ حالت ہے تو آپس میں لڑنا جھگڑنا اور مقدمات کرنا اور ان کو لمبا کرنا کتنی سخت حماقت ہے۔ نرمی محبت اور عفو سے کام لینا چاہئے ورنہ پھر نہ نظام سلسلہ کا کوئی فائدہ ہو سکتا ہے نہ ایمان کا کوئی فائدہ حاصل ہو سکتا ہے اور نہ ہی جماعت میں شامل ہونے سے کوئی فائدہ مترتب ہو سکتا ہے۔ اگر ہمارے اخلاق اچھے نہ ہوں بلکہ ہم درندے بنے ہوئے ہوں تو ہمیں جماعت میں داخل ہونے سے کیا فائدہ۔ پس علاوہ اس کے میں اعلان کرتا ہوں کہ میں نظام سلسلہ کی بغاوت کو قطعاً برداشت نہیں کر سکتا (میں ہمیشہ عفو سے کام لیا کرتا ہوں۔ مگر ایسے موقع پر عفو کرنا سلسلہ سے دشمنی کرنا ہوتا ہے) نصیحت کرتا ہوں کہ عدالتیں چھوڑ ہمارے مقدمات قضاء میں بھی نہیں آنے چاہئیں۔ مومن کا جج تو اس کا دل ہوتا ہے پھر ہمارے دل سے بڑھ کر اور کونسا جج فیصلہ کر سکتا ہے۔ کہتے ہیں ایک بزرگ کو قاضی القضاۃ بنا دیا گیا دوست مبارکباد دینے آئے تو دیکھا کہ وہ رو رہے ہیں۔ انہوں نے کہا یہ رونے کا کونسا مقام ہو سکتا ہے۔ آپ خوش ہوں کہ آپ کو قاضی بنا دیا گیا۔ انہوں نے جواب میں کہا اس سے بڑھ کر رونے کا مقام اور کونسا ہو سکتا ہے کہ مدعی کو بھی پتہ ہو گا کہ حقیقت کیا ہے اور مدعا علیہ کو بھی پتہ ہو گا کہ حقیقت کیا ہے وہ دونوں سوجاکھے ہوں گے مگر مجھے کچھ پتہ نہیں ہو گا میں ایک اندھا ہوں گا اور ان کے درمیان فیصلہ کروں گا کیا یہ رونے کا مقام نہیں؟ تو دوسرا جج تو کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتا۔ اگر انسان ایمان کی آنکھ سے دیکھے تو اسے جج کی ضرورت نہیں رہتی۔ میں نے یہ واقعہ کسی تاریخ میں تو نہیں دیکھا مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے سنا ہے۔ آپ فرماتے تھے ایک صحابی اپنا گھوڑا بیچنے نکلے انہوں نے اس کی قیمت دو سو یا تین سو دینار بتائی دوسرے صحابی جو اس گھوڑے کو خریدنا چاہتے تھے کہنے لگے میرے اندازہ میں یہ گھوڑا زیادہ قیمت کا ہے پس میں اس سے زیادہ قیمت دوں گا۔ بیچنے والے کہیں کہ اپنے حق سے زائد نہیں لے سکتا میں اتنی ہی لوں گا۔ یہ وہ لوگ تھے جو اخلاق کا صحیح نمونہ تھے۔ مومن کو کوشش کرنی چاہئے کہ بجائے اس کے کہ دوسرے کا حق مارنے کی کوشش کرے دوسرے کا حق دینے کی کوشش کرے۔ بلکہ اگر کوئی ہم سے اپنا حق لینے کا مطالبہ نہ کرے تو ہم اس پر ناراض ہوں۔ اگر ہم

اس روح کو پیدا کرلیں تو ہماری جماعت کے اندر کبھی جھگڑے اور فساد اُسے پیدا نہ ہوں۔ اور اب تو ہماری جماعت روحانی بلوغت کو پہنچ چکی ہے اب ہمارے اندر قربانی کا زیادہ مادہ ہونا چاہئے اور اپنے جھگڑے اور فسادات کو جس حد تک کم ہو سکیں کم کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم اس کے حکموں پر عمل کریں اور ہمارے اندر نیکی تقویٰ اور صلاحیت کی روح پیدا ہو اور جھگڑے اور فسادات ہمارے اندر سے دور ہو جائیں۔

(حضور جب دوسرے خطبہ کے لئے کھڑے ہوئے تو ایک صاحب نے کھڑے ہو کر دریافت کیا حضور جس شخص کے جماعت سے اخراج کا حضور نے اعلان کیا ہے اس کا نام کیا ہے؟ اس پر کسی نے کہہ دیا خطبے میں نہیں بولنا چاہئے۔ حضور نے اس پر مسکراتے ہوئے فرمایا) ایک پرانا لطیفہ تھا وہی اب ہو گیا۔ خطبے میں بولنا منع ہے مگر ایک صاحب بول ہی پڑے۔۔ جس شخص کا میں نے ذکر کیا ہے اس کا نام امور عامہ کے بورڈ پر لکھا جاچکا ہے۔ (بعد میں یہ صاحب مقدمہ واپس کر کے معافی مانگ چکے ہیں۔ اس وجہ سے نام لکھنے کی ضرورت نہیں)۔ یہ صاحب جو بولے ہیں ان کی عادت ہے کہ ایسے موقع پر اپنے نفس کو قابو میں نہیں رکھ سکتے۔ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی تلاشی کا واقعہ سنا رہے تھے۔ یہ تلاشی پنڈت لیکھرام کے واقعہ قتل کے سلسلہ میں سپرنٹنڈنٹ پولیس گورداسپور نے لی تھی۔ آپ نے فرمایا سپرنٹنڈنٹ پولیس ایک چھوٹے دروازہ میں سے گزرنے لگا تو اس کے سر کو سخت چوٹ آئی اور سر چکرا گیا ہم نے اسے دودھ پینے کو کہا لیکن اس نے انکار کیا کہ اس وقت میں تلاشی کے لئے آیا ہوں اور یہ میرے فرض منصبی کے مخالف ہوگا۔ اس پر یہی صاحب جو اَب بولے ہیں جھٹ بولے۔ حضور اس کے سر میں خون بھی نکلا تھا یا نہیں۔ حضرت صاحب نے ہنستے ہوئے فرمایا میں نے اس کی ٹوپی اتار کر نہیں دیکھی تھی۔

خیر تو خطبے میں بولنا منع ہے۔ مگر لطیفہ یہ ہے کہ خطبے میں ہی ایک دوسرے صاحب نے انہیں نصیحت کر دی ہے کہ خطبے میں بولنا نہیں چاہئے۔ یہ ویسی ہی بات ہے جیسے کہتے ہیں کہ کہیں جماعت ہو رہی تھی۔ ایک شخص آیا اور کہنے لگا اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ۔ نماز پڑھتے ہوئے ہی ایک شخص کہہ اُٹھا وَعَلَيْكُمُ السَّلَامُ۔ دوسرا کہنے لگا تمہیں پتہ نہیں نماز میں بولنا منع ہے پھر تُو نے سلام کا جواب کیوں دیا تو خطبے میں بولنا بھی منع ہے اور بول کر منع کرنا بھی منع ہے بعد میں منع کیا جا سکتا ہے یا اشارہ سے سمجھایا جائے۔ خطبے میں نہیں بولنا چاہئے ہاں امام خود بول کر منع کر سکتا ہے۔

(الفضل ۲۶ مارچ ۱۹۳۱ء)

۱؎ بخاری کتاب الجنائز باب زیارۃ القبور

۲؎ خنساء کے بھائی کا نام صخر تھا

۳؎ غالبًا سہو ہے۔ یہ الفاظ حضرت عمرؓ نے متمم بن نویرۃ سے کہے تھے۔ جس نے اپنے بھائی مالک بن نویرۃ کا مرثیہ کہا تھا(اسد الغابۃ)